اسلامی فرقے

پروفیسر سید جعفر رضا

اسلامی فرقوں کی اہمیت وانفرادیت اور تشخص کے مطالعہ میں مدنظر رہے کہ اسلام فرقہ بندی کے سخت خلاف ہے۔فرقہ بندی نے اسلام کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے لیکن مسلمانوں میں فرقہ بندی کا بڑا زور رہا ہے۔فرقہ (عربی، جمع فرق) قرآن الحکیم نے فرق واختلاف سے منع کیا ہے اور باربار وحدت واتفاق کی تاکید کی ہے۔ یہ وحدت واتفاق محض مسلمانوں تک محدود نہیں ہے۔ اس کی پہلی منزل اہل کتاب کے مابین وحدت واتفاق ہے: قل یا اهل الکتب تعالوا الی کلمة سواء (اے پیغمبر آپ کہہ دیں کہ اہل کتاب آؤ ایک منصفانہ کلمہ پر اتفاق کرلیں: آل عمران ۳/ ۶۴) اس کی دوسری منزل تمام بنی انسان کے درمیان وحدت واتفاق ہے، جس کی دلیل قرآنی ہے: خلقکم من نفس واحدہ (سب کو ایک نفس سے پیدا کیا: النساء ۴/ ۱۔الانعام ۶/ ۹۸ ، الاعراف ۷/ ۱۸۹، الزمر ۳۹/ ۶) انبیائے کرام کی تعلیم کا اساس بھی بنی نوع انسان کے درمیان وحدت قائم کرنا اورتفرقہ سے اجتناب کرنا ہے۔ شرع لکم من الدین ماوصّی به نوحاوالذی اوحینا الیک وما وصینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدّین ولاتتفرقوا فیه (اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے، جس کی نوح کونصیحت کی ہے اورجس کی وحی پیغمبر تمہاری طرف بھی کی ہے اورجس کی نصیحت ابراہیم ،موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی کی ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ پیدا ہونے پائے: الشوریٰ آیت ۴۲/ ۱۳) بلکہ قرآن نے فیصلہ صادر کردیا ہے کہ تفرقہ بازوں کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔ ان الذین فرقوا دینهم وکانو شیعا لست منهم فی شئی (جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، ان سے آپ

کا کوئی تعلق نہیں: (الانعام ۶/ ۱۵۹) ان تفرقہ بازوں سے بچنے کے لئے قرآن نے حکم دیا۔ واعتصموا بحبل الله جميعاً وّلاتفرقوا (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ کرو: آل عمران ۳/ ۱۰۳) دوسری جگہ پھر تاکید ہوئی کہ اللہ کی مقرر کردہ سیدھی راہ پر چلو اور ان راہوں سے بچو جن سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ وان هذا صراطی مستقيما فاتّبعوه و لاتتبعوا السّبل فتفرق بكم عن سبيله (اور یہ ہمارا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہو جاؤ: الانعام ۶/ ۱۵۳) اس تفرقہ سے بچنے کے لئے رسول اسلام کی حدیث ثقلین کا رہنما اصول امت کو مرحمت کیا تھا کہ اگر امت قرآن اور اہل بیت سے وابستہ رہے گی تو کبھی گمراہ نہیں ہوگی۔ انّی تارک فيكم الثقلين كتاب الله وعترتی اهل بيتی ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی انما لن تتفرقا حتی يردا علی الحوض (میں تمہارے درمیان دو گراں اور بھاری بھرکم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت واہل بیت۔ تم ان دونوں سے وابستہ رہو۔ جب تک ان دونوں سے تمسک کروگے کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی اور حوض کوثر پر دونوں مجھ سے ملحق ہو جائیں: البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۰۹، ذخائر عقبیٰ ص ۱۶ فصول المہمہ ص ۲۲، خصائص ۳۰، الصواعق المحرقہ ص ۱۴۷، کنز العمال ج ۱ ص ۴۴ مستدرک امام حاکم ج ۳ ص ۱۰۹، ۵۳۳ وغیرہ۔ یہ حدیث ۳۹ بار اہل تسنن اور ۸۲ بار اہل تشیع میں روایت ہوئی ہے۔) لیکن بدقسمتی سے بعد کے ادوار میں خصوصاً بنی امیہ کے دور (۶۶۱ء۔ ۷۵۰ء) میں جعلی حدیثوں کا انبار لگ گیا، جس کی کاٹ چھانٹ کے لئے علامہ جلال الدین سیوطی کو لعالی مصنوعہ لکھنا پڑی تو حدیث ثقلین بھی تبدیل کردی گئی تو کبھی حسبنا كتاب الله کے نعرہ کا سہارا لیا گیا اور کبھی اہل بیت کے بجائے سیرت نبوی کی دہائی دی گئی۔ حالانکہ کتاب خدا سیرت نبوی اور اہل بیت میں کوئی اختلاف ممکن ہی نہیں ہے۔ ان تحریفات کا مقصد افتراق امت تھا، تاکہ بعد رسول جانشینی رسول کے مسئلہ کو نزاعی بنایا جاسکے

جس میں تفرقہ بازوں کو کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ الشہرستانی کا قول ہے کہ مسلمانوں میں بنیادی اختلافی مسئلہ امامت کا معاملہ ہے۔ ہر دور میں جس قدر مسئلہ امامت پر تلواریں بے نیام ہوئیں، اس قدر کسی اور دینی مسئلے پر کبھی بے نیام نہیں ہوئیں۔ [1]

اسلامی فرقوں کی تعداد کے متعلق حدیث رسول بیان کی جاتی ہے۔ ان امتی متفرق علی ثنتین وسبعین فرقه: ابن ماجه: کتاب الفتن باب ۱۷ افتراق الامم کی روشنی میں ۷۲ (بہتر) اور اختلاف متن کی صورت میں :امتی علی ثلاث سبعین فرقة: کتاب الفتن باب ۱۷ افتراق الامم کے مطابق ۷۳ (تہتر) فرقے ہوں گے۔ اس کے بعد کی حدیث:کلهم فی النار الا الملة واحدہ: کتاب الفتن باب ۱۷ افتراق الامم اور اختلاف متن کی صورت میں الا واحدۃ وھی الجماعۃ: کتاب الفتن باب ۱۷ افتراق الامم یعنی ان تمام فرقوں میں محض ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی ناری ہوں گے۔ قطع نظر اس امر کے کہ ۷۲یا ۷۳ قطعی اعداد کے طور پر بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ ان سے بڑی تعداد میں ہونا مراد ہے کیونکہ اگر اس تعداد کو قطعی قرار دے دیا جائے تو مختلف زمانوں میں نئے فرقوں کی تعداد سو سے زائد ہو چکی ہے۔ جن کا ذکر برابر ہوتا رہتا ہے۔ اس عدد ۷۳ نے کیا کیا گل کھلائے اس کی دلچسپ مثال ابو منصور عبد القاهر البغدادی (م: ۱۰۷۳) کا دوٹوک فیصلہ ہے۔ انہوں نے اسلامی فرقوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا۔ زمرہ اول میں فرق الاهواء الضال یعنی گمراہ فرقوں کو رکھا جو حرص وہوس اور خواہشات نفسانی پر قائم ہیں۔ ان کی تعداد ۷۲ مقرر کی، جن میں اہل تشیع، الخوارج اور قدریہ کے بیس بیس فرقے المرجیہ کے دس فرقے اور باقی فرقوں نجاریہ و کیسانیہ شامل کیے۔ زمرہ دو میں الفرقہ ناجیہ یعنی تنہا اہل سنت والجماعت [2]

اس کے برعکس معروف صوفی بزرگ خواجہ سید علی ہمدانی جن سے اہل تسنن اور اہل تشیع دونوں صوفی سلسلے قائم ہیں جن کو عام طور پر شافعی مسلک سمجھا جاتا ہے، کئی حدیثیں نقل کی ہیں جن میں اہل تشیع کو ناجی قرار دیا ہے۔ بہرحال، ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد خواجہ

ہمدانی کے شیعی ہونے میں کیسے کلام ہوسکتا ہے چند حدیثیں ملاحظہ ہوں:

حضرت ابو ذرغفاری نے روایت کی ہے کہ سرکار دو عالم نے حضرت علیؑ کی مدح وتوصیف میں فرمایا۔" وفعل شیعة فی جنة (اور ہم نے اس کے شیعوں کے لئے بہشت مقرر کیا ہے"۔ ؎

عبد اللہ بن سلام سے روایت ہے کہ انہوں نے سرکار دو عالم سے دریافت کیا یا رسول اللہ۔ (آپ کے علم کے سایہ میں کون لوگ ہوں گے۔فرمایا، مومنین دوستان خدا اور خدا کے شیعہ اور میرے شیعہ اور میرے محبّ علیؑ اور اس کے محبّ اور انصار یعنی یار ویاور اس علم کے زیر سایہ ہوں گے۔ ؎

انس روایت کرتے ہیں۔اور اس کی ہر ایک تسبیح کے عوض اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کے محبوں اور شیعوں کے لئے روز قیامت تک بخشش طلب کرتا ہے ؎

وغیرہ وغیرہ۔

اہل تسنن میں مسلکی اختلافات دیگر فرقوں کے مقابلہ میں زیادہ رہے ہیں، جن پر مستقل کتابیں موجود ہیں مثلاً اختلاف ابی حنیفه وابن الحسن، اختلاف الشافعی مع محمد بن الحسن، اختلاف الشافعی مع مالک وغیرہ وابن ابی لیلیٰ، اختلاف ابی حنیفه والاوزاعی اختلاف الشافعی مع محمد بن الحسن، اختلاف الشافعی مع مالک وغیرہ کے علاوہ المروزی کی اختلاف الفقهاء الکبیر، الطحاوی کی اختلاف الفقهاء وغیرہ۔ اختلافات کے ذکر میں اہل تسنن اور اہل تشیع کے درمیان احیائے وحدت کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔مثلاً جامع ازہر میں فقہ جعفری کا اجراء جمہوری اسلامی ایران کی اتحاد بین المسلمین اور علمی کاوشوں میں امام ابو الحسن الخزیری کی الدعوة الاسلامیہ الی وحدة اہل السنہ والامامیہ اور محمد علی الزعبی کی لا سنہ والاشیعہ ڈاکٹر علی شریعتی کی تشیع علوی وتشیع صفوی وغیرہ کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔

اختلافات کے دوانتہاپسندانہ رویے ہیں۔ ایک یہ کہ احقاق حق کے لئے جزو سے لے کر کل تک تمام مسائل ومباحث کا معروضی تجزیہ کیا جائے، جس میں کسی طرح کی مصلحت پسندی کو دخل نہ دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ مصلحت کو مقدم قرار دیا جائے تاکہ کسی مسئلہ میں اختلاف نہ کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں رویے انتہاپسندی پر مبنی نہیں، متناقص اصولی طور پر کسی مسئلہ ومبحث میں تعبیر، تشریح اور تفہیم میں اختلاف فطری ولازمی ہے، جس کے لئے ضروری نہیں کہ کسی تفرقہ کو جنم دے کیونکہ اس کی بنیاد تلاش حق، دیانت داری اور خلوص نیت پر ہوتی ہے لیکن اگر یہی رویہ تعصب وتنگ نظری، ذاتی اغراض، جاہ پرستی یا جہالت کی بنیادوں پر قائم ہے تو معمولی اختلافات بھی گروہ بندی اور فرقہ واریت میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اسلام میں بعد رسول جو اختلافات رونما ہوئے، ان میں ہردو رویے کارفرما نظر آتے ہیں۔ الاشعری (م: ۹۳۵) کا خیال ہے کہ اس میں کلیدی مسئلہ امامت سے متعلق ہے، جو تمام اختلافات کی بنیاد بنا۔ انھوں نے اس واقعہ کی تفصیل لکھی ہے کہ کس طرح خلیفہ دوم نے خلیفہ اول کو تسلیم کرنے پر رضامند کیا، اس کے بعد دیگر واقعات کا ذکر کیا ہے خاص طور پر خلیفہ سوم کے واقعہ قتل سے متعلق۔(۱) الشہرستانی نے زیادہ تفصیل پیش کی ہے۔ ے)

جس کی ابتدا دور رسالت مآب سے کی ہے کہ اسی زمانہ سے منافقین کی ریشہ دوانیاں شروع ہوگئی تھیں۔ شہر مروان بن الحکم یا اس کے باپ سے متعلق واقعات جن کے نتیجہ میں انھیں شہر بدر کیا گیا۔ یہ واقعات اختلاف کے بجائے نفاق کا نتیجہ ہیں۔ وفات رسالتمآبؐ کے بعد جو اختلاف پیدا ہوئے، ان کی تعداد شہرستانی نے دس مقرر کی ہے۔ ۵

(۱) سرکار رسالت کا مرض الموت میں قلم ودوات طلب کرنا اور حضرت عمر کا الزام ہذیان وارد کرنا اور حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ لگانا۔

(۲) صحابی رسول اسامہ کی سرداری لشکر سے حضرت ابو بکر اور دیگر اہل قریش صحابہ کا گریز،

(۳) بعد وفات رسولؐ حضرت عمر کا وفات رسول سے انکار کرنا کہ رسول کی وفات نہیں ہو سکتی۔

(۴) قبر رسول کی جگہ کے تعین کا مسئلہ۔

(۵) مسئلہ خلافت کہ ایک فریق کے نزدیک رسول اسلام نے اپنی وفات سے قبل حضرت علی کو اپنا وصی و جانشین مقرر کر دیا تھا اور دوسرے فریق نے حضرت ابو بکر کو خلیفہ مقرر کر لیا۔

(۶) واقعہ فدک جس میں جگر گوشہ رسول فاطمہ زہرا کا مطالبہ فدک اور خلیفہ اول کا انکار۔

(۷) مانعین زکوۃ کے خلاف خلیفہ اول کی جنگ۔

(۸) حضرت ابو بکر کا وصیت کے ذریعہ حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کرنا۔

(۹) حضرت عثمان کی خلافت قائم کرنے میں شوریٰ کا عمل اور

(۱۰) حضرت علی کے عہد خلافت میں حضرت عائشہ طلحہ اور زبیر کا جنگ جمل کرنا۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی تاریخ کے ادوار میں اختلافات کی تعداد میں معتد بہ اضافہ نظر آتا ہے لیکن ان اختلافات کے کلیدی ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اہل اسلام کے مابین اختلاف کا تجزیہ کیا جائے تو ان کی تین اہم ترین نوعیتیں نظر آتی ہیں جن کی بنیاد پر مختلف فرقوں کی تشکیل ہوئی۔

اولاً، اصول دین میں اختلافات: جن پر اسلام کے دونوں بڑے فرقے اہل تشیع و اہل تسنن قائم ہوئے۔ یہ اسلام کی دو مختلف تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔ ان کے اپنے مسالک میں بھی ضمنی مسالک ہیں جن سے ذیلی فرقے بنتے ہیں۔

ثانیاً، سیاسی اختلافات: شہرستانی کے بیان کردہ مذکورہ دس اختلافات پر نظر ڈالیے تو ان کی سیاسی نوعیتیں واضح ہو جاتی ہیں۔ ان ادوار میں مختلف سیاسی تحریکیں بھی شامل ہوئیں،

جنہوں نے نئے فرقوں کو جنم دیا، مثلاً عرب قومیت تحریک شعوبیت تحریک معتزلہ تحریک اشاعرہ تحریک وہابیت وغیرہ۔

ثانیاً ، ہنگامی اختلافات : جو کسی خاص تاریخی جبر یا بعض فراد کے ذاتی اغراض کی بنا پر وجود میں آئے اور ان ہنگامی حالات کے ساتھ ختم ہوگئے۔ مثلاً الخوارج ، المرجئۃ الجبریہ، القدریہ، وغیرہ۔

ذیل میں اہم اسلامی فرقوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

اہل تشیع:

اہل تشیع شیعی عقاید کے مسلمانوں کو کہتے ہیں۔ شیعہ (مادہ شیع) قرآنی لفظ ، مع اشتقاقات بارہ بار استعمال ہوا ہے:

شیعه(مریم ۱۹ ، ۶۹)	(ایک بار)
تشیع (النور ۲۴، ۱۹)	(ایک بار)
شیع (الحجر ۱۵ ، ۱۰)	(ایک بار)
اشیاعکم (القمر ۵۴، ۵۱)	(ایک بار)
باشیاعھم (سبا ۳۴، ۵۴)	(ایک بار)
شیعة(القصص ۲۸، ۱۵ (دوبار)	الصافات ۳۷۔۸۳ (تین بار)

اورشیعاً (الانعام ۶، ۶۵۔۵۹ القصص ۲۸۔۴ الروم ۳۰۔۳۲ (چار بار)

اعداد کا تطابق معنی خیز ہے کہ اہل تشیع کا سواد اعظم اثنا عشری ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایک مقام پر ارشاد کرتا ہے: وان من شیعتہ لا براھیم (اور یقیناً نوح کے شیعوں میں ابراہیم بھی تھے: الصافات ۳۷، ۸۳) حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ کے درمیان ۲۶۴۰ سال کا فاصلہ قرار دیا گیا ہے۔۹ اس سے دلیل قائم ہوئی کہ کسی کا شیعہ ہونے کے لیے اس کا ہم عصر ہونا لازمی شرط نہیں ہے، جیسا کہ بعضوں کا خیال ہے بلکہ سچی بات یہ ہے کہ شیعیت کا معاملہ

وابستگی سے ہے، جو کسی مدت کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ لفظ تشیع اسم کے معنی دوست، پیروکار، جماعت، گروہ، رفقاء اور پیچھے چلنے والوں کے ہوتے ہیں۔ یہ لفظ واحد و جمع اور مذکر و مونث معنی کے لیے یکساں مستعمل ہے۔ اصطلاحی طور پر مسلمانوں کے اس فرقہ کو کہتے ہیں، جو اپنا تشخص اہل بیت رسول اور آئمہ اہل بیت سے قائم کرتا ہے۔ ابن خلدون لکھتا ہے: (لغت میں شیعہ کے معنی ہیں ساتھی اور پیروکار سلف سے اب تک فقہاء متکلمین کے روز مرہ میں حضرت علی و اولاد علی رضی اللہ عنہم کے پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے) واضح رہے کہ شیعہ اور شیع دو مادے ہیں جن کے معنی الگ الگ ہیں اور شیع اختلاف و تفرقہ کے لئے استعمال ہوا ہے[10]

اہل تشیع کا وجود حیات رسالت مآب سے ثابت ہے۔ ابتدائی مآخذ میں حضرت عمر اور حضرت سلمان فارسی کے درمیان ایک مکالمہ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات رسالتمآب سے حضرت سلمان فارسی (م: ۷۵ ۔ ء ۶۵۶) شیعیان اہل بیت میں شمار ہوتے تھے۔ اس[11] مکالمہ یوں ہے۔: حضرت عمر نے حضرت سلمان فارسی سے سوال کیا کہ آپ نے حضرت ابوبکر کی مخالفت کیوں کی تھی۔ حضرت سلمان نے جواب دیا۔ میں ان (اہل بیت) کا شیعہ ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میں ہر اس شخص کا مخالف ہوں، جو انکا مخالف ہو۔[12] قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ شیعان علی حیات رسالتمآب میں ممتاز تھے، جن کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ان میں مختلف قبیلوں کے لوگ شامل تھے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے ان میں سے سو ممتاز افراد کے حالات درج کیے ہیں۔[13] اس سے اس تصور کا بطلان ہو جاتا ہے کہ ان کی تعداد محض تین یا چار تھی۔[14] ابوبکر سراج الدین کے نزدیک ابتدا شیعیت اور ان کے تصور ایک تھے اور ان کا حلقہ وسیع تھا[15] ان حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ حیات رسالتمآب سے لفظ شیعہ بمعنی دوست، پیروکار وغیرہ وسیع تر حلقوں میں مقبول ہو چکا تھا، خاص طور پر شیعان اہل بیت کی جماعت تھی، ان کے علاوہ مختلف قبائل و افراد سے وابستہ لوگوں کے حلقے تھے، جو ان کے شیعہ کہلاتے تھے۔ النوبختی کا قول ہے کہ بعد وفات رسالتمآب

امت کے تین واضح گروہ ہوگئے۔ شیعان علی، شیعان ابوبکر اور شیعان سعد بن عبادہ جو بالترتیب بنو ہاشم، مہاجرین اور انصار بھی کہے جاتے تھے۔[۶] ادوار خلافت علوی (۶۱ - ۶۵۶ء) میں مسلمانوں کے دیگر گروہ شیعان علی سے ہم آہنگ ہوگئے لیکن بنی امیہ جو بنی ہاشم کی سرداری کسی قیمت پر قبول کرنے پر تیار نہ تھے، اپنی الگ ٹولی میں بیٹھ گئے، نام رکھا۔ شیعان عثمان۔ اسی نام سے انھوں نے حضرت علی کے خلاف جنگیں لڑیں اور کربلا میں (۶۸۱ء) امام حسین سے بھی۔ علامہ ابی جعفر طبری نے لکھا ہے کہ زہیر بن قین میدان جنگ میں آئے تو یزیدی فوج کا سردار عزرہ بن قیس طعنہ زن ہوا کہ تم تو اس خاندان کے شیعوں میں نہیں تھے۔ بلکہ شیعان عثمان میں تھے۔ زہیر نے جواب دیا۔ اب اپنی غلط فہمی دور کرلو۔[۷] اسی طرح ہلال بن نافع جہاد کے لئے آئے تو رجز پڑھی۔ بحمد اللہ کہ میں شیعان علی میں ہوں۔ ان کے مدمقابل نے بھی اسی جوش وخروش سے جواب دیا۔ میں بھی شیعان عثمان میں ہوں۔[۸] لیکن اس سے غلط فہمی نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے خلاف جنگ میں تمام اہل تسنن شامل تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اہل تسنن میں بنی امیہ (علاوہ چند استثناء) کے بالعموم حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کے خلاف جنگوں میں شامل ہوتے رہے۔

اہل تشیع کے عقاید وافکار میں اصول وفروع کے بیان میں دو اصول ہیں۔ تولی اور تبرا! تولی یعنی پیغمبر اور ان کے اہلبیت سے محبت اور تبرا بالعموم یعنی ان کے دشمنوں سے برأت و علیحدگی۔

اہل تشیع اور اہل تسنن کے درمیان اصولی اختلافات خاص طور پر مسئلہ امامت وخلافت، عقل و اجماع او اجتہاد وتقلید میں ہیں۔ شیعہ امامت کو منصوص من اللہ سمجھتے اور عقل کا استعمال تعبدی احکام کے علاوہ ضروری قرار دیتے ہیں۔ تعبدی احکام میں نمازیں، قیام وقعود رکوع وسجود اور رکعتوں کی تعداد وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے مسائل شارع سے معلوم کیے جانے چاہئے۔ اجماع کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے استناد کا اصل محور اتفاق امام ہے اور اگر تمام اہل حل

وعقد متفق ہوں تو یہ اتفاق سند سمجھا جائے گا۔ اہل تشیع کے نزدیک قیاس واستحسان ، اور مصالح مرسلہ حجت نہیں ہوتے، اس لئے ان پر عمل کرنا درست نہیں ہوتا ، جو اہل تسنن کے اجماع کی اساسی شرائط ہیں۔ اس طرح اجتہاد وتقلید کے معاملہ میں شیعوں میں اجتہاد کا دروازہ ہر دور میں کھلا رہا ہے اور ہنوز کھلا ہے ، جو اسلام کی حکمت پسندی کی علامت ہے تاکہ تبدیلی زمان ومکان کے اعتبار سے فکری تعطل اور فقہی جمود پیدا نہ ہوسکے بلکہ تمام مسائل کا حل تلاش کیا جاتا رہے۔ اجتہاد کے دو نظریے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر اس امر میں جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا ہے، کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہوسکتی ۔ اس میں مجتہد کی رائے کے مطابق ایک یا ایک سے زائد رائیں ہوسکتی ہیں اور اتنے ہی حکم بن جائیں گے۔ مجتہدوں کے باہمی اختلافات کے باوجود کسی مجتہد کے حکم کو قبول کیا جاسکتا ہے ۔ ہر مجتہد خطا سے بری ہوگا۔ اس نظریہ کو تصویب کہتے ہیں، جس پر اہل تسنن کے چاروں مصلے قائم ہیں۔ دوسرے نظریہ کا نام: تخطئہ ہے اس پر اہل تشیع کاربند ہیں۔ اس میں حکم شرعی مجتہد کی رائے کا پابند نہیں ہوتا۔ اور مجتہدوں کی رائے میں اختلاف کی صورت میں بھی حکم ایک ہوتا ہے ۔ اگر مجتہد کی رائے حکم واقعی ہے ، تو بہتر ہے ورنہ بصورت دیگر ایسی رائے اسکی اور اس کے مقلدین کی کفالت تک محدود ہوگی، جس کی حیثیت محض حکم ظاہری کی ہوگی اور وہ خطا سے معذور قرار پائے گا۔ تقلید کے معنی ہیں کہ اگر نا واقف ہے تو واقف کار سے رجوع کرے۔ اگر کوئی شخص حکم شرعی سے ناواقف ہو یا اخذ اور استنباط کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو کسی مجتہد کی تقلید اختیار کرسکتا ہے، بشرطیکہ مجتہد مذکور میں تمام شرائط اجتہاد موجود ہوں اور وہ عادل بھی ہو۔ البتہ اصول فروع دین میں کوئی تقلید نہیں ہے۔ [۲۱]

اہل تشیع کے پانچ مسالک کا ذکر شہرستانی کرتا ہے۔ اثنا عشری یا امامیہ ، اسماعیلیہ، زیدیہ، کیسانیہ اور غلاۃ ۔ [۲۲] بعد کے ادوار میں بعض دیگر مسالک بھی اہل تشیع میں سے ابھرے اور بعدہ دائرہ اسلام سے ہی باہر ہوگئے مثلاً نقشی ،بابی یا بہائی وغیرہ۔ علاوہ بریں ایسے

مسالک بھی ہیں جو اپنا جلوہ دکھا کر خاموش ہو گئے لیکن ان مسالک کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے، جو مختلف ائمہ کے بعد نص امامت میں اختلاف کرتے رہے۔[۳۳] مثلاً امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ کے ادوار میں (۶۵-۱۴۷ء) جناحیہ واقفیہ اور غلاۃ کے بعض مسالک، دور امام موسیٰ کاظم (۹۹-۶۵۷ء) میں، ناؤسیہ افطحیہ، دور امام رضا (۸۱۸-۷۹۹ء) میں بجلیہ، بشریہ، دور امام محمد تقی (۳۵-۸۱۸ء) میں احمدیہ، مولفہ، دور امام علی نقی (۶۸-۸۳۵ء) میں نصیریہ یا علویہ، محمدیہ اور امام حسن عسکری کی وفات (۸۷۳ء) کے بعد واقفیہ محمدیہ، جعفریہ، قطعیہ وغیرہ۔ عصر حاضر میں شیعی مسلاک کی حیثیت سے اثنا عشری یا امامیہ، اسماعیلیہ اور زیدیہ معروف ہیں، کیسانیہ اور غلاۃ بھی معدوم ہو چکے ہیں۔ ذیل میں اہل تشیع کے پانچوں مسالک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اثنا عشری یا امامیہ:

اثنا عشری، یعنی بارہ والے، ان شیعوں کو کہتے ہیں جو بارہ ائمہ اہل بیت کے پیرو ہیں۔ اسی نسبت سے یہ لوگ امامیہ بھی کہے جاتے ہیں۔ اس مسلک کے پیرو اہل تشیع اکثریت میں ہیں حتیٰ کہ اب عام طور پر شیعی سے مراد اثنا عشری یا امامیہ مسلک ہی لیا جاتا ہے۔ دیگر شیعہ مسالک اپنے الگ ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔

امامیہ بارہ کے علاوہ پانچ اور چودہ کے اعداد کو مقدس جانتے ہیں پانچ سے پنجتن۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت علی مرتضیٰؑ ، حضرت فاطمہ زہرا(س)، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ اور چودہ سے چودہ معصومین یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت فاطمہ زہرا (س) اور بارہ ائمہ اہل بیتؑ علیہم السلام ہیں۔ ائمہ اہل بیت علم و فضل زہد و تقویٰ اور روحانی فضیلت میں ایک دوسرے کے ہمسر ہیں۔ اس عقیدہ کی بنیاد رسول اسلام کی مشہور حدیث ۔ اوّلنا محمد واوسطنا محمد وآخرنا محمد وکلنا محمد (ہمارا اول بھی محمد ہے، درمیان کا بھی محمد ہے۔ آخر بھی محمد ہے، سب ہی محمد ہیں۔[۳۴] ائمہ اہل بیت کی الگ الگ خصوصیات بھی ہیں

جس سے ان کی شخصیت کی انفرادیت نمایاں ہوتی ہے۔ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

پہلے امام علی ابن ابی طالب (۶۶۱ء ـ ۶۱۰) ابو الائمہ، ابوالحسن، مرتضٰی، حیدر کرار، شیر خدا، اسد اللہ الغالب، لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار۔ بعد رسول سب سے افضل، ان کے علم وکمال، زہد وتقویٰ اور فضیلت وروحانیت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اہل تسنن کے چوتھے خلیفہ رسول۔شیعوں کا انھیں کی نسبت سے شیعان علی نام ہوا۔

دوسرے امام حسن مجتبیٰ (۶۷۰ ـ ۶۲۵) جگر گوشہ رسول فاطمہ زہرا کے بڑے صاحبزادے ہیں، جو حلم ومروت، صلح پسندی اور حیاداری میں ممتاز ہیں۔

تیسرے امام حسین بن علی (۶۸۰ء، ۶۲۶) جگر گوشہ رسول فاطمہ زہرا کے فرزند اسی بنا پر فرزند رسول لقب، حق وصداقت کی بازیافت کے لئے کربلا (عراق) میں مع اعوان وانصار راہ خدا میں شہید ہوئے، سید الشہداء کے لقب سے معروف ہیں۔اس اسلامی انقلاب کے بانی ہیں جس کے گہرے اثرات تاریخ عالم پر مرتب ہوئے۔

چوتھے امام علی بن الحسین (۷۱۳ء، ۶۵۷) صبر وتحمل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ عبادت گذاری کی بلندیوں نے زین العابدین اور السید الساجدین کے القاب عطا کیے، اپنی طویل مدت حیات میں لاتعداد طلبہ کو فارغ التحصیل کیا۔ بازاروں سے غلام خریدتے اور انھیں عالم وفاضل بنا کر آزاد کردیتے تھے۔

پانچویں امام محمد باقر (۷۳۳ء، ۶۷۷) سے علمی اکتساب کے لئے ہر فرقہ کے طلاب ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے امام محمد باقر سے بھی درس حاصل کیے تھے۔ باقر العلوم لقب تھا۔تمام علوم میں کامل تھے۔

چھٹے امام جعفر بن محمد الصادق (۷۶۵ء، ۷۰۲) جنھوں نے پہلی بار فقہ اسلامی کی تدوین کی۔ امامیہ ان کے فقہ کے پابند ہونے کی بنا پر جعفری بھی کہے جاتے ہیں۔ اہل تسنن کے سواد اعظم حنفی مسلک کے بانی امام ابو حنیفہ امام جعفر صادق کی شاگردی پر تفاخر کرتے تھے اور

انھیں سے دقیق مسائل فقہ میں رہنمائی حاصل کرتے۔مالکی مسلک کے بانی مالک بن انس، سفیان بن عینیہ، تفیان توری، شیعہ بن حجاج، فضیل بن عیاضر کی طرح جید فقہا ومحدثین ان کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے۔ ان کے طلاب کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ جن میں سے متعدد وممتاز ومنفرد ہوئے فقہ جعفری میں نص وعلم کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔نص یعنی ایک امام کا دوسرے امام کو نامزد کرنا علم اور علم جو ذات امام سے وابستہ ہے۔ امام جعفر صادق نے عقیدہ تقیہ کی فقہی معنویت سے روشناس کیا۔

ساتویں امام موسیٰ کاظم (۹۹۔ ۷۴۵ء) کا لقب عبد الصالح تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کا پاکیزہ بندہ معروف لقب کاظم ہے۔یعنی برداشت کرنے والا، تمام زندگی قید کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے، قید خانہ میں وفات ہوئی، بیڑیوں کے ساتھ مدفون ہوئے۔

آٹھویں امام علی الرضا (۸۱۹۔ ۷۷۰ء) شاہ خراسان کے نام سے مشہور ہیں۔ حالانکہ انھیں تخت حکومت حاصل نہیں ہوئی۔لیکن ان کی ذات سے تحریک شیعیت کو زبردست فروغ حاصل ہوا، حتیٰ کہ ایران کی صورت میں اثنا عشریوں کا ملک وجود میں آ گیا۔مسلک امامیہ میں امام رضا پر خصوصی سلام پڑھنے کا رواج ہے۔

نویں امام محمد تقی (۳۵۔۸۱۱ء) تقی کا لقب انتہائی تقویٰ کی علامت، دیگر لقب الجواد، سخاوت میں ان کا جواب ممکن نہ ہوسکا۔

دسویں امام علی نقی (۶۸، ۸۲۹ء) کا لقب نقی سچائی، امانت داری اور اصلی ہونے کی بنا پر اور گیارھویں امام حسن عسکری (۷۳، ۸۴۶ء) کا لقب ہادی یعنی رہنما ہے۔عسکر میں سکونت کی بنا پر عسکری کہلائے۔ امام آخر الزمان کے والد ماجد ہونے کی بنا پر بھی انھیں خصوصی امتیاز ہے۔

بارہویں امام محمد المہدی بن حسن عسکری (۸۷۸ء تا روز قیامت) مہدی آخر الزماں قائم آل محمد، امام عصر والزماں، صاحب الزماں، امام غائب، امام منتظر وغیرہ خطابات سے

معروف ہیں۔ ان کی غیبت امامت (۸۷۳ء) کے بعد اولاً محض ۶۷ سال (۸۷۳ء-۹۴۰) تک نواب اربعہ کے ذریعہ امام زمانہ سے رابطہ رہا۔ اس دور کو زمانہ غیبت صغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد سے غیبت صغریٰ کا سلسلہ ترک ہوگیا۔ اب زمانہ غیبت کبریٰ شروع ہوا۔ امامیہ عقائد کے اعتبار سے کوئی زمانہ امام زمانہ سے خالی نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کے بعد کا زمانہ امام المہدی آخر الزماں کا ہے۔ تصور مہدی مسلمانوں کے تمام فرقوں میں ہے لیکن فرقہ امامیہ میں امام منتظر سے متعلق مخصوص عقائد ہیں۔

باقی آئندہ

حواشی:

۱۔عبد القاہر البغدادی: الفرق بین الفرق ص ۱۲ (قاہرہ: ۱۹۱۱)
۲۔سید علی ہمدانی: مودۃ القربیٰ (اردو ترجمہ زاد العقبیٰ سید شریف حسین) ص ۷۳ (بار دوم لاہور)
۳۔ایضاً ایضاً ص ۶۱
۴۔ ایضاً ایضاً ص ۸۵۔۸۱
۵۔ابو الحسن الاشعری: مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۱ (استنبول ۱۹۲۸ء)
۶۔الملل والنحل ج ۱ ص ۴۳۔۱۱
۷۔الملل والنحل ج ۱ ص ۴۳۔۱۱
۸۔سید ذیشان حیدر: انوار القرآن ص ۹۳۱
۹۔ابن خلدون: مقدمہ
۱۰۔بحوالہ اثناعشری شعیراں انڈیا ج ۱ ص ۷۳
۱۱۔مجالس المومنین ص ۵۹۔۵۶
۱۲۔ابو الحسن علی ندوی، دو متضاد تصویریں ص ۷۴ (لکھنؤ ۱۹۸۴)، سید محمد علی، آیات بینات ج ۱ ص ۷۔۶ (مرزاپور ۱۸۷۰ء)

۱۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۶ ص ۴۳۰ (لاہور ۱۹۶۲)

۱۴۔ النوبختی: فرق الشیعہ ص ۱

۱۵۔ طبری ج ۶ ص ۲۳۷

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ السرخسی: کتاب المبسوط ج ۱۰ ص ۱۲۵

۱۸۔ نہج البلاغہ (اردو ترجمہ جعفر حسین) خطبہ ۲۰۴ ص ۵۷۱

۱۹۔ محمد تقی البروجردی: بحث فی الاجتہاد والتقلید فی نہایہ الافکار ج ۴، محمد حسین محقق ہندی القول المفید فی المسائل الاجتہاد والتقلید

۲۰۔ الملل والنحل ج ۱ ص ۱۱۵

۲۱۔ المفید: الارشاد ص ۳۰۸، ۳۱۴، ۲۲۷، الملل والنحل ج ۱ ص ۱۲۰۔۱۲۶، ۷۶، ۵۶، المسعودی: مروج الذہب ج ۵ ص ۱۶۹۔۱۶۷، ۴، ج ۶ ص ۱۸۶، ۴۰، ج ۸ ص ۴۷، الکاشی: رجال ۲۰۶، القمی: مقالات ص ۱۶، ۱۰۴، المجلسی: بحار الانوار ج ۴۵ ص ۱۱۶

۲۲۔ ابن اثیر ج ص ۵۵

۲۳۔ طبری ج ۲ ص ۱۱۷۷

۲۴۔ (Lewis, Barnald: Origin of Islamailsm pp 38-40 (Cambridge 1940)

☆☆☆☆